● عہدنو کا نمائندہ تخلیق کار (ڈاکٹر سید قاسم جلال) مرتب: جمشید اقبال

صفحات: ۱۶۰ قیمت: ۲۰۰ ناشر: مکتبہ عکاس، اسلام آباد

ڈاکٹر قاسم جلال فارسی، اردو، سرائیکی اور پنجابی کے معروف شاعر، ادیب اور نقاد ہیں۔ ان کی غزلیں، نظمیں اور مضامین ملک کے معروف ادبی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کی اب تک ۱۶ کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ قاسم جلال ایسے ادیبوں اور شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جو کبھی ادبی منظرنامے سے اوجھل نہیں ہوئے۔ زیرنظر کتاب میں ۲۶ ادیبوں نے ان پر مضامین لکھے اور ۱۵ دانشوروں نے اپنے تاثرات قلمبند کیے اور آخر میں ان کا انٹرویو دیا گیا ہے۔ یہ بھرپور خراج تحسین کی صورت ہے۔

قاسم جلال ۱۹۴۸ء کو بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدامجد عظیم صوفی بزرگ سید جلال الدین سرخ بخاری تھے۔ انھوں نے تین ایم اے کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کا مرحلہ طے کیا۔ انھوں نے مختلف کالجوں میں اردو کے استاد کے طور پر تدریسی خدمات سرانجام دیں اور ۲۰۰۱ء میں ریٹائرمنٹ لے لی۔

اسلامیہ یونیورسٹی میں ان پر ایم اے کی سطح کا ایک مقالہ لکھا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں دو کتابیں مرتب ہو چکی ہیں اور تیسری زیر طبع ہے۔ تین ادبی رسائل نے ان پر خصوصی نمبر بھی شائع کیے ہیں۔ انھوں نے آٹھ غیر سرکاری ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔ ڈاکٹر قاسم جلال کے کام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ سنجیدگی سے ادب کی خدمت کی ہے۔

شورش کاشمیری، عرش صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر اسلم انصاری، میرزا ادیب، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر انور سدید اور پروفیسر فتح محمد ملک وہ کون نامور ہے جس نے ڈاکٹر سید قاسم جلال کی ادبی خدمات کا اعتراف نہ کیا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ ان کی مسلسل محنت کا ثمر ہے۔

● مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم (خطبات وتقاریر: ڈاکٹر محمود احمد غازی) مرتب: ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

صفحات: ۲۵۶ قیمت: ۱۷۵ ناشر: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

یہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے آٹھ خطبات وتقاریر کا مجموعہ ہے (جسے ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن نے مرتب کیا ہے) ڈاکٹر محمود احمد غازی نے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا۔

(۱) دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل۔

(۲) قدیم وجدید تعلیم میں ہم آہنگی۔

(۳) مسلمانوں کی تعلیمی روایت اور عصر۔

(۴) اکیسویں صدی میں پاکستان کے تعلیمی تقاضے۔

(۵) مغرب کا فکری اور تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں۔

(۶) دینی مدارس میں تخصص اور اعلیٰ تعلیم و تحقیق۔

یہ تمام موضوعات دراصل تعلیم سے متعلق ہیں اور عصر حاضر میں دینی مدارس میں تعلیم کا مسئلہ اہمیت اور توجہ حاصل کر گیا ہے۔ اہل علم اس بارے میں سوچ رہے ہیں اور تجاویز بھی دے رہے ہیں۔

ضمیمہ میں (۱) مسلکی اختلاف اور حدود (۲) عصر حاضر میں علماء کی ذمہ داریاں شامل ہیں۔ ڈاکٹر غازی کی فکر نے دینی حلقوں میں اپنا اعتبار قائم کیا ہے اور وہ ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جنھیں وقت کی اہم ضرورت کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نئے زمانے میں اسی انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔

مولانا زاہد الراشدی لکھتے ہیں:

> ''مختلف موضوعات پر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے محاضرات مقالات اور بیانات وخطبات قدیم وجدید دونوں حلقوں کے لیے یکساں افادیت کے حامل ہیں اور اپنے مواد، قوت استدلال اور ندرت فکر کے حوالے سے اہل علم کے لیے بیش بہا تحفہ ہیں۔''

ڈاکٹر غازی کا انداز گفتگو حکمت، دانائی اور علم کا مرقع ہے۔ وہ درس نظامی پر بات کرتے ہیں تو تاریخ کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی ان کی خوبی ہے کہ وہ تاریخ سے الگ نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب کے خطبات کو پڑھتے ہوئے بار بار یہ احساس ہوا کہ میں تاریخ کی کتاب پڑھ رہا ہوں۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کے وہ ایسے مؤرخ ہیں کہ جو تاریخ کی سچائیوں کو بیان کرتے ہوئے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرتے اور اگر ہم صاف اور پاکیزہ ذہن کے ساتھ اپنی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کریں تو بہت سے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم ہر وقت عقیدت اور فرقہ پرستی کی چادر اوڑھے رہتے ہیں اسی لیے سچائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

درسِ نظامی کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> ''سوال یہ ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالوی مرحوم ومغفور نے کیوں اور کس مقصد کی خاطر مرتب کیا تھا؟ اس پر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں، جس کو اب برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں، ریاستی نظام چلانے، اسلامی عدالتوں کو قاضی، مفتی اور مُقنّن فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا۔ یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا۔ جب اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا۔ اس نظام کے لیے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کیے۔ یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا۔ بہر حال، اس کے بعد چونکہ یہی نصاب